ڈاکٹر ازکیا ہاشمی صاحب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اسلامیات،
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، مانسہرہ

برصغیر پاک وہند میں مسلم قومیت کے احیاء میں وحدت الشہود کا کردار

برصغیر پاک وہند کی مسلم سیاسی، سماجی، دینی وثقافتی زندگی پر جن دونظریات کے گہرے اور دورس اثرات مرتب ہوئے نیز اسلامی فکر اور تصوف کے حوالے سے جن دونظریات کو خصوصی اہمیت اور شہرت حاصل ہوئی ہے، وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات ہیں۔ اول الذکر نظریہ جس کا تصور قدیم صوفیاء مثلاً مصریؒ، جنید بغدادیؒ، سری مقطیؒ، معروف کرخیؒ اور بایزید بسطامیؒ وغیرہ کے ہاں پایا جاتا ہے اور جسے باقاعدہ اور منظم صورت میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) نے اپنی تصانیف میں پیش کیا ہے، ابتداء میں محض ایک متصوفانہ نظریہ تھا جس سے ذات باری تعالیٰ اور مخلوقات کے تعلق کی وضاحت ہوتی تھی اور اس نظریہ کے تمام تر مباحث صرف صوفیانہ حلقوں اور خانقاہوں تک محدود رہتے تھے، مگر بعد میں اس نے ہمہ گیر مقبولیت حاصل کرکے ایک باقاعدہ فلسفہ کی شکل اختیار کرلی، اور اس کے رد وقبول پر معتدبہ لٹریچر وجود میں آیا (مثلاً البقاعی (۸۵۸ھ) کے رسائل "تنبیہ الغبی علیٰ تکفیر ابن عربی" اور "تحذیر العباد من اھل العناد ببدعۃ الاتحاد"۔ ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) کی "رد الفصوص" سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی "تنزیہ الاعتقاد عن الطول والاتحاد" (۱) نیز شیخ عبدالکریم جیلی کی تصنیف "الانسان الکامل" کافی شہرت رکھتی ہے۔ (۲)

یہ فلسفہ مختلف سلاسل تصوف بالخصوص شطاری، قادری اور نقشبندی سلاسل کے ذریعے ہندوستان پہنچا اور یہاں کے مقامی مزاج سے جو کسی قدر اس کا ہم خیال تھا ہم آہنگ ہوگیا اور بہت جلد یہاں کی سیاسی، سماجی اور اخلاقی زندگی کے تمام شعبوں پر اس کے اثرات پڑنا شروع ہوئے۔ اس نظریہ نے جہاں رواداری، انسان دوستی اور روشن خیالی کو جنم دیا وہاں ہندو مسلم ترکیبی ثقافت

کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ برصغیر کے مخصوص ماحول میں ویدانت اور تصوف، ہندومت اور اسلام کے درمیان ترکیب وامتزاج سے متعلق مختلف علمی، فکری اور احیائی تحریکوں کے پس منظر میں جھانک کر دیکھا جائے تو اس فلسفہ کے واضح نقوش نمایاں نظر آئیں گے۔ مختلف ہندو مصلحین، رامانج، رامانند، بھگت کبیر، گرونانک، اور انتہاپسند وجودی نقطۂ نظر کے حامل صوفی دارا شکوہ اسی فکر وفلسفہ کا پرچار کرتے ہوئے اسلام اور ہندومت کے درمیان مفاہمت کی وجوہ تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بنیادی افکار میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم بہت حد تک ان کے ہاں فکری مماثلت بھی پائی جاتی ہے جس کے زیر اثر وہ مذاہب کے رسوم وظواہر کو مسترد کرتے ہوئے باطنی پاکیزگی اور محبت کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک مذہب کی ظاہری صورتوں کے برعکس اس کی روحانی قدروں کی زیادہ اہمیت ہے۔ اسی لئے وہ ہندومذہب اور اسلام کو ایک ہی صداقت کے جداگانہ مظاہر بتلاتے ہیں۔ پندرھویں اور سولہویں صدی صدی عیسوی میں ان افکار کو کافی فروغ حاصل ہوا اور صورتحال اس حدتک پہنچ گئی کہ انتہا پسندانہ صوفیانہ حلقوں میں مومن وکافر کا امتیاز مٹنے لگا، ویدوں کو الہامی کتب کا درجہ حاصل ہوا، مذہب کی ظاہری رسوم نظرانداز ہونے لگیں اور شریعت وطریقت کی راستے جداہونے لگے، اور ایک مسلم سکالر کے الفاظ میں اس نظریہ نے یہ خطرناک صورت اختیار کرلی کہ:

"ہر چیز خدا ہے، مذہب کی ظاہری حیثیت یعنی دیروحرم کی تفریق کا خاتمہ، مندر اور مسجد کا فرق جاتا رہا، سماجی زندگی میں اتنی بے اعتدالی پیدا ہوئی کہ یہ کہا جانے لگا کہ انسان بھی خدا ہے تو پھر یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ خدا خدا کی عبادت کرے، ایسی صورت میں کوئی گناہ گناہ نہیں رہتا، کیوں کہ گناہ کا مرتکب خود خدا ہے، جب خدا ہی مرتکب ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ خدا خود اپنی ذات کو سزا دے، اس نظریہ نے حرم اور میکدہ کا فرق ختم کردیا، عوام اپنے نفس اور خدا دونوں کو بیک وقت خوش رکھنے کی کوشش کرتے" (۳)

بعض مغربی مفکرین بھی وحدت الوجودی نظریات کی (غلط تعبیرات کی) اشاعت کو اسلامی دنیامیں بہت سی برائیوں کے فروغ کا سبب قرار دیتے ہیں۔ (۴)

اسی فلسفہ سے فائدہ اٹھا کر جہاں ہندوؤں نے اپنے مذہب کو تقویت دینے اور مسلم قومیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی وہاں مختلف سیاسی قوتوں نے بھی اسے اپنے اقتدار اور سلطنت کے استحکام کیلئے اپنی حکمت عملی کی اساس بنایا۔ مغل حکمران اکبر کی صلح کل پالیسی اور اس کا وضع کردہ

"دین الٰہی" درحقیقت آزاد خیال صوفیاء اور بھگتی تحریک کے پھیلائے ہوئے افکار سے اخذ شدہ تھا جس کا بنیادی مقصد "متحدہ قومیت" اور "وحدۃ ادیان" کے تصور کی عملی تشکیل تھا جس نے اسلامی تہذیب اور مسلم قومیت کے زوال کو دوچند کردیا۔ کے ایم پانیکر نے اس کی پالیسیوں اور خودساختہ دین کے پس پردہ جن مقاصد کی نشاندہی کی ہے وہ تین ہیں۔ (۱). قومی حکومت کا قیام (۲). ہندوؤں سے مفاہمت (۳). متحدہ ہندوستان۔ (۵) ان ہی مقاصد کے حصول کیلئے اس نے متعدد غیر اسلامی اقدامات کئے، مثلاً ہندو عورتوں سے نکاح، ہندوؤں اور سکھوں کی مملکت کے اہم عہدوں پر تقرری، جزیہ کی بندش، ہندوانہ رسوم کی حمایت وغیرہ۔ ہندوؤں نے باقاعدہ سوچی سمجھی سازش کے تحت حرم اور دربار میں اکبر کا قرب حاصل کیا اور اسکے مذہبی اور عمرانی نظریات پر اثر انداز ہونے لگے اور اس کو آلہ کار بنا کر متحدہ ہندوستانی قومیت، ہندواحیائیت اور مسلمانوں کے ملی تشخص کے خاتمہ کیلئے جدوجہد شروع کردی۔ غیرجانبدرانہ ماخذ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اکبر کے دور حکومت میں ہندوؤں کے اثر ورسوخ میں بڑا اضافہ ہوا، اس کے مشیران خاص بھگوان داس اور مان سنگھ کی امور سلطنت میں براہ راست مداخلت اور مملکت کی پالیسیوں پر اثرانداز ہونے کا نتیجہ مسلمانوں کے ضعف کی شکل میں ظاہر ہوا، اس کے دور میں علماء ومشائخ کا وقار کم کرنے کیلئے انہیں دوردراز کے علاقوں میں منتشر کیا گیا، بعض کو قلعوں میں نظربند کیا گیا، بعض پر گوناگوں اخلاقی الزامات عائد کئے گئے، بعض کو ملک بدر کردیا گیا۔ (۶) ہندوؤں پر عائد شدہ جزیہ کی رقم معاف کردی گئی جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ مسلمان اور ہندو علیحدہ علیحدہ اقوام نہیں ایک ہی خطہ میں رہنے والی ایک قوم ہے، ان میں سے نہ کوئی فاتح ہے نہ مفتوح "BAMBE GASCOIGNS" اپنی تصنیف "THE GREAT MUGHULS" میں اس کے پس پردہ اسی حکمت کا ذکر کرتا ہے (۷)

بعض مورخین اکبر کے اس طرز عمل کو مذہبی رواداری سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ عجیب رواداری تھی، جس کے تحت ہندودھرم کو تقویت حاصل ہوئی اور اسلام کو شدید ضعف پہنچا۔ خود ہندومورخین کے نزدیک اکبر پر ہندوؤں کو اس قدر تسلط ہوچکا تھا کہ اس کی تمام عادات و اطوار ہندوانہ ہوچکی تھیں وہ دیوالی کا تہوار عقیدت سے مناتا، ہندوؤں کے طرز کے بال رکھتا تھا، لباس میں ہندوراجپوتوں کا سااندازاختیار کرتا اور تلک لگاتا تھا۔ (۷) اسی طرح ایک ہندو مصنف "سری رام شرما" اپنی مشہور تصنیف "THE RELIGIOUS POLICY OF THE EMPEREOR

میں اکبر کی نام نہاد اسلامی حکومت کے متعدد ایسے اقدامات کا ذکر کرتا ہے جو نہ صرف خلاف اسلام ہیں بلکہ وہ برصغیر سے اسلام کی برتری کے خاتمہ اور ہندو دھرم کے غلبہ کیلئے سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہیں۔ (۸) یہی ہندو مورخ ۱۵۶۴ء کو ہندوستان کی تاریخ کا اہم موڑ قرار دیتا ہے کیونکہ اسی سال اکبر نے جزیہ ختم کردیا تھا، وہ اس کی خاتمہ کی وجہ سے بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

(۹) " It Proclaimed the Superiority of Islam over Hinduism"

(اس لئے کہ جزیہ کو ہندوازم پر اسلام کی برتری قرار دیا گیا تھا)۔

"M.P.SRIVASTAVA" کے نزدیک بھی " نفرت انگیز" جزیہ کا خاتمہ اکبر کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ (۱۰) ان اقدامات کے نتیجہ میں نہ صرف ان میں مفتوح قوم ہونے کا احساس ختم ہوا بلکہ وہ ہندو حکومت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے، مان سنگھ، بھگوان داس، رائے سنگھ وغیرہ کے اقتدار میں آنے سے ہندوؤں کے اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا، دھڑا دھڑ مندر تعمیر ہونے لگے اور جگہ جگہ مسجدیں منہدم ہونے لگیں۔ (۱۱) اسلامی تشخص کے خاتمہ کیلئے بنیادی عقائد اور دینی شعائر کا مذاق اڑایا جانے گا۔ (۱۲) مگر ہندو مذہب کی ترویج واشاعت کیلئے حکومتی سطح پر دارالترجمہ قائم کیا گیا جس میں ہندو مذہبی کتب مہا بھارت، رامائن اور اتھروید کے ترجمے کرائے گئے۔ (۱۳) بہت سے سلمانوں کے نام تبدیل کئے گئے (۱۴) پیغمبرؐ اسلام کی شان میں سرعام گستاخیاں ہونے لگیں۔ (۱۵)

مشہور مورخ بدایونی نے " منتخب التواریخ" میں اکبری دور کی بے اعتدالیوں کی طویل فہرست درج کی ہے جس سے اکبر کے مذہبی میلانات اور بالخصوص اس کے ہندوانہ اطوار وافعال پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ (تفصیلی مطالعہ کیلئے یہ کتاب اہم ماخذ شمار ہوتی ہے) اگرچہ بعض حلقے اس کے بہت سے مندرجات کو مبالغہ آرائی پر محمول کرتے ہیں اور اس کی صحت اور استناد میں شبہ کا اظہار کرتے ہیں (۱۶)۔ حالانکہ اس کے بیان کردہ حقائق کی معاصر وقریب المعاصر تاریخی کتابوں سے تائید ہوتی ہے۔ ابوالفضل کی مشہور تصنیف " آئین اکبری" (۱۷)۔ عہد اکبری کے مورخ نظام الدین احمد بخشی کی " طبقات اکبری" (۱۸) عہد جہانگیری کے مورخ محمد قاسم ہندوشاہ استرآبادی کی " تاریخ فرشتہ" (۱۹)، اسی عہد کے صوفی بزرگ شیخ آدم بنوری کی کتاب " خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد" (۲۰)، معتمد خان کی " جہانگیر نامہ" (۲۱) عہد شاہجہانی کی تصنیف " دبستان مذاہب" (۲۲) اسی دور کے ایک اطالوی سیاح " نکولس مینو کی" (۲۳) اور عہد عالمگیری کے مورخ محمد ہاشم خافی خان کی " تاریخ منتخب اللباب" (۲۴) سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جو " منتخب التواریخ" میں مندرج ہیں۔ اکبر کے معتمد خاص ابوالفضل نے " آئین اکبری" میں اکبر کے مذہبی رجحانات اور اس کے جاری کردہ ملکی فرامین کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ مثلاً آفتاب پرستی"

آگ کی تعظیم، مسئلہ تناسخ پر اعتقاد، نکاح بالغان کی ممانعت، ایک سے زائد شادیوں پر پابندی قریبی رشتہ داروں میں نکاح کی مخالفت، بارہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کی ختنہ پر پابندی، سن ہجری کی منسوخی، ذبح گاؤ پر پابندی اور ترک لحمیات وغیرہ (۲۵)۔

مورخین کے خیال میں اس موضوع پر یہ مجموعہ مستند ترین معلومات فراہم کرتا ہے۔ تاریخی تجزیہ سے یہ امر محقق ہوچکا ہے کہ اسلام اور مسلم قومیت کو جن دو تحریکوں نے برصغیر میں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ وہ " بھگتی تحریک " اور " دین الہیٰ " کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ دونوں تحریکیں وجودی فلسفہ اور افکار سے متاثر تھیں۔ اول الذکر نے انسان دوستی اور مذہبی رواداری کے لبادے میں تمام تر تقویت ہندومذہب کو پہنچائی جس سے ہندوؤں کے قبول اسلام کی رفتار میں کمی واقع ہوئی اور ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کو فروغ دے کر مسلم تشخص کو نقصان پہنچایا۔ جبکہ ثانی الذکر نے متحدہ ہندوستانی قومیت کے پس پردہ ہندو دھرم کے احیاء کیلئے فضاہموار کی اور مسلم قومیت کو ختم کرنے کی سازش کی۔ ان حالات میں جس شخصیت نے احیاء اسلام، تجدید دین اور متحدہ نظریہ کے خلاف مسلمانوں کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے اور اسے غیر مسلم معاشرے میں جذب ہونے سے بچانے کیلئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، شیخ احمد فاروقی سرہندی ہیں جو مجدالف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان کا حقیقی فکری کارنامہ تصور وحدت الوجود کے بالمقابل وحدت الشہود کا تصور پیش کرنا ہے۔ جدیدنقطہ نظر کے مطابق آپ کے فکری نظام کی اساس اسی تصور پر قائم ہے اور ان کے دیگر افکار وتصورات اس سے منطقی طور پر استخراج کئے جاسکتے ہیں۔ ترقی پسند نقطہ نظر کے حامل بعض معاصر فضلاء نے حضرت مجددکی جملہ مساعی کو آپ کی اسی فکر کا مظہر قرار دیتے ہوئے آپ کی فکر وفلسفہ کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور وحدت الوجودی افکار سے اخذ شدہ رجحانات مثلاً بین المذاہبی رویے، انسان دوستی اور ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کا دفاع کرتے ہوئے وحدت الشہود کے فلسفے کو فرقہ پرستی اور تحلیلی رجحان پر محمول کیا ہے۔ (۳۶) پیش کردہ مقالہ ہذا کا بنیادی مقصد اس رجحان کا تاریخی حقائق کی روشنی میں تجزیہ کرکے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرت مجدد کا یہ فکری رویہ کس حد تک معقول اور اس دور کے معروضی حالات کے مطابق تھا۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاً اس سوال کی مختصراً وضاحت کردی جائے کہ وحدت الشہود کی حقیقت کیا ہے؟ بنیادی طور پر وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فلسفے خالق اور مخلوق کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتے ہیں جو باطنی مشاہدے پر مبنی ہیں، حضرت مجدد اول الذکر کو باطنی مشاہدے کی ابتدائی منزل قرار دیتے ہیں جس پر پہنچ کر سالک پر خود فراموشی کی ایسی

کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور وہ ذات باری میں اتنا محو ہوجاتا ہے کہ غیر خدا کا احساس تک نہیں رہتا وحدت الوجود حقیقت نہیں محض ایک احساس ہے ، ایک کیفیت ہے (۲۷) ان کے نزدیک وحدت الوجود کا تجربہ (جس میں سالک اپنے آپ کو ذات باری سے متحد خیال کرتا ہے اور غیر کو معدوم سمجھنے لگتا ہے) حقیقت کے بجائے التباس ہے ۔ حقیقت کا مشاہدہ نہیں ، اس کا تجربہ سکر کی حالت میں ہوتا ہے ، اس لئے قابل اعتماد نہیں ، حقیقی تجربہ کثرت، دوری اور عبدیت کا ہے جو شعور اور ہوشیاری کی کیفیت میں ہوتا ہے ۔ (۲۸) جس میں خدا اور فرد کے درمیان خالق و مخلوق کا رشتہ باقی رہ جاتا ہے ۔ (۲۹) اور سالک محسوس کرتا ہے کہ اس کا وجود خدا سے مختلف ہے ، اس کے تابع ہے مگر اس سے جدا ہے ، یہی مقام عبودیت ہے جو روحانی ارتقاء کی اعلیٰ منزل ہے جسے وہ وحدت الشہود سے تعبیر کرتے ہیں (۳۰) ۔

برصغیر میں آزاد خیالی کی اساس جس فلسفے نے فراہم کی وہ وحدت الوجود تھا جس نے اسلام اور مسلم قومیت کو سخت نقصان پہنچایا تھا ، حضرت مجدد اپنی خداداد بصیرت کے پیش نظر آزاد خیالی کے اس حقیقی منبع کو تلاش کرنے اور اس پر بھرپور حملہ کرنے میں کامیاب ہوگئے اور وحدت الشہود کے ذریعہ اس فلسفہ پر کاری ضرب لگاکر آزاد خیالی کو اس کی بنیادوں سے محروم کردیا جس کے نتیجہ میں احیاء اسلام کو تقویت حاصل ہوئی اور مسلم قومیت کا تصور اجاگر کرنے میں مدد ملی ۔ راقم کو وحدت الوجود کی افادیت سے انکار نہیں ، متقدمین صوفیاء نے بالخصوص برصغیر میں وحدت الوجود کی تعبیر خاص مصلحت کے تحت اختیار کی تھی ۔ یہ فلسفہ بہت سے ہندو جوگیوں اور ویدانت پر اعتقاد رکھنے والوں کے اسلام لانے کا محرک بنا کیونکہ ان کا ویدانتی فلسفہ کس حد تک وحدت الوجود کا ہم خیال تھا اس طرح یہ فکری اشتراک اور ذہنی یگانگت غیر مسلم اقوام کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ذریعہ بنی ۔ اس فلسفہ نے یہاں کے مخصوص ماحول میں اگرچہ روشن خیالی، رواداری اور انسان دوستی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا تاہم جلد ہی اس کے منفی اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے مثلاً ہندومت اور اسلام ، ویدانت اور تصوف کے درمیان ترکیب وامتزاج کا عمل ، اکبر کا وضع کردہ دین الہیٰ متحدہ قومیت کا نظریہ اور صلح کل پالیسی ، ان سب کی بنیاد اسی فلسفہ کی غلط تعبیرات رکھی گئی ، اس سے اسلامی فکر وتہذیب کو جو شدید نقصان پہنچا اس کی وضاحت ہم مقالے کے ابتدائی حصے میں کرچکے ہیں ۔ حضرت مجدد کا پیش کردہ فلسفہ وحدت الوجود کے منفی اثرات کا ازالہ کی کوشش کی ہے جس میں آپ نے خالق ومخلوق کے تعلق کی صحیح وضاحت کرتے ہوئے وحدت الوجود کی ان تعبیرات کی پرزور مخالفت کی جن سے اتحاد وحلول کا شائبہ ہوتا ہے (۳۱)

انہوں نے واضح کیا کہ " دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے ، اتحاد وحلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں " ۔ (۳۲)

آپ نے اس موقف کی سختی سے تردید کی کہ " رام " اور " رحمان " ایک ہستی ہیں ۔ اس سلسلے کی کوششیں دراصل وحدت الوجود اور ویدانتی فلسفہ کے امتزال اور بھگتی تحریک کے زیر اثر کی جارہی تھیں ۔ آپ نے دوٹوک الفاظ میں واضح کیا کہ " رام اور رحمان کو ایک ہستی قرار دینا کسی طرح ٹھیک نہیں ، خالق ، مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا " ۔ (۳۳) وہ مسلمانوں کو غیر مسلموں میں جذب کرنے کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ ان رسوم ورواج کو ترک کرنے کی ہدایت کرتے ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشابہت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں ۔ مثلاً ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

" بیماری اور مصیبتوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا عین شرک اور گمراہی ہے ، مسلمان عورتوں کی کمال جہالت کے باعث مشرکوں کی شرکیہ رسومات میں شرکت اور ہنود کے معظم دنوں کی تعظیم اور ان کی متعارف رسومات کا ادا کرنا مستلزم شرک اور موجب کفر ہے جیسے دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان اور خصوصاً ان کی عورتیں کفار کی رسوم ادا کرتی ہیں اور انہیں اپنی عید کی طرح مناتی ہیں ، یہ سب کچھ شرک اور دین اسلام کا انکار ہے " ۔ (۳۴)

برصغیر کی تاریخ کا گہرا تجزیہ کرنے والے محققین کے نزدیک ہندومذہب اپنی تمام تر قوت جاذبہ کے باوجود اسلام کو اپنے اندر جذب نہیں کرسکا تو اس کی ایک بڑی وجہ وحدت الوجود کے مقابلہ میں وحدت الشہود کی اشاعت بھی ہے ۔

مشہور مورخ اور فلسفی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے نزدیک " وحدت الوجود کا رداس عہد کی سب سے بڑی ضرورت تھی اور اسلام اس وقت جس مرض میں مبتلا تھا اس کی تشخیص اسی پر مبنی تھی (۳۵) ان کے الفاظ میں " وحدت الوجود کا رجحان یہ ہے کہ وہ مذہبی فلسفوں اور اخلاقی ضابطوں کے درمیان اختلافات کو نظرانداز کردیتا ہے ، یہ اس قوم کیلئے مہلک ہے جو یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ وہ دنیا کی ایک انوکھی (منفرد) قوم ہے جس کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو قائم رکھے ورنہ تباہ ہوجائے گی " ۔ (۳۶) وہ لکھتے ہیں " حضرت مجدد کی تبلیغی مساعی کا حاصل یہی تھا کہ اسلامی تعلیمات کو ہندومت کے ساتھ اشتراک مقصد سے روکیں اور انہیں محض وحدت الوجودی تعلیمات نہ بننے دیں ، مسلمانوں کی ملت اور اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی اسی طرح برقرار رہ سکتی تھی

کہ ان کی جداگانہ ہستی اور انوکھی نوعیت پر اصرار کیا جائے " (۳۷)۔

گویا دوسرے الفاظ میں اسلامی قومیت کی تشکیل، مسلم تشخص کے قیام، مسلمانوں کی سیاسی برتری اور اسلامی اقدار کی بالادستی کیلئے وحدت الشہود کا نظریہ اس دور کی صورتحال کا ناگزیر تقاضا اور وقت کی اہم ضرورت تھی جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو یہ شعور دیا کہ ہندو مسلم ترکیبی ثقافت برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی برتری کے خلاف ایک سازش ہے جس سے متحدہ قومیت کو تو فروغ حاصل ہوسکتا ہے مگر اس کی قیمت مسلمانوں کو اپنے ملی وجود اور مذہبی تشخص سے دستبرداری کی شکل میں ادا کرنا ہوگی۔ مسلم مفکرین کے نزدیک اسی فکر وشعور نے درحقیقت " ہندوستان کی اسلامی سلطنت اسلام کو لوٹا دی "۔ (۳۸) اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو حضرت مجدد کا یہ فکری رویہ اس دور کے معروضی حالات کے پیش نظر انتہائی معقول نظر آتا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے بجا فرمایا ہے کہ " وحدت الوجود کے برعکس وحدت الشہود کے تصور سے عملاً اسلام کی سیاسی حاکمیت اور مسلمانوں کی یہ حیثیت مسلمان کے جماعتی برتری وسیادت پر منتج ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ہی محکوم ہندوؤں اور ان کے مذہب کی تحقیر بھی اس میں شامل تھی "۔ (۳۹) غیر مسلموں بالخصوص ہندوؤں کے متعلق آپ نے جو سخت رویہ اور دوٹوک موقف اختیار کیا وہ دراصل وحدت الوجود اور بھگتی تحریک کو تقویت حاصل ہورہی تھی۔ آپ اپنی متعدد تحریروں میں ہندوؤں کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں اور ان سے بعض وعناد رکھنے اور انہیں نجس وناپاک قرار دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ (۴۰) مثلاً اسی سلسلے کے ایک مکتوب میں شیخ فرید بخاری کو تحریر فرماتے ہیں " کفر اور کافروں کو ذلیل کرنے میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہے، جزیہ سے کفار کی اہانت اور ذلت مقصود ہے، کافروں کی جس قدر عزت کی جائے، اسلام کی اسی قدر ذلت ہے "۔ (۴۱) یہ موقف اگرچہ بظاہر عام صوفیاء کے نقطۂ نظر سے نیز عہد جدید کے اصول رواداری اور وسیع المشربی کی خلاف نظر آتا ہے، جس کی بناء پر بعض معاصدین آپ کے اس رویے کو موجیت پسندی او سادیت پسندی پر محمول کرتے ہیں اور اسے فلسفہ وحدت الشہود کا ناگزیر نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ (۴۲) جبکہ بعض نے آپ کے ان نظریات کو ہندوؤں کے خلاف آپ کی متشددانہ ملامتی مہم قرار دیا ہے۔ (۴۳) مگر یہ تنسقید دراصل حضرت مجدد کی دینی وسیاسی بصیرت اور ان کے دور کی سیاسی، مذہبی اور معاشرتی صورتحال سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اس دور کی صورتحال کے گہرے تجزیے سے اس رویہ کا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ رویہ بالکل فطری اور حالات کے عین مطابق تھا۔ حضرت مجدد اپنے دور کی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر

اسلام اور مسلمان اسی صورتحال سے دوچار رہے تو یہاں سے اسلام کا غلبہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائے گا۔ جس کا مطلب خود مسلمانوں کے سیاسی اور سماجی مقام کا خاتمہ اور ہندوؤں کو ہندوستان کی قسمت کا مالک بنانا ہے وہ مسلم امراء دربار کو اس تشویشناک صورتحال کا شعور دلاتے ہوئے متوجہ کرتے ہیں کہ:

"کفار بندبے تحاشا بدم مسجد مے نمایندو آنجا تعمیر معبد ہائے خود می سازندونیز کفار برملا مراسم کفر بجای آرند و مسلمانان دراجرائے اکثر احکام اسلام عاجزاند"۔ (۴۴)

(ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈہاتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں، اس طرح کفار علانیہ کفر کی رسوم سرانجام دیتے ہیں مگر مسلمان اسلام کے اکثر احکام بجالانے سے مجبور ہیں)

اور ایک دوسرے مکتوب میں اپنی تشویش کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

"ہندو صرف اس پر راضی نہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہوجائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکامات وقوانین سرے سے ناپیدونابودکردیئے جائیں، ان کو مٹادیا جائے کہ شعائر اسلامی اور مسلمانوں کا کوئی اثرونشان یہاں باقی نہ رہے (۴۵)۔

وہ اہم مناصب پر فائز درباری امراء کو دربار اسلام کی کسمپرسی اور مسلمانوں کی ذلت وخواری کا احساس دلاتے اور اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کیلئے جدوجہد کی دعوت دیتے ہیں۔ (۴۶)۔

ان حالات میں جب کہ ایک طرف ہنداحیاء کی تحریکیں زوروں پر ہوں، دوسری طرف مسلمان ایک مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت میں احکام اسلامی جاری کرنے سے عاجز ہوں، بلکہ شعائر اسلامی کو مٹانے کی مہم باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں جاری ہو، وجودی نظریات کی اشاعت اور بھگتی تحریک کے زیر اثر مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز مٹنے لگا ہو اور دیر وحرم میں تفریق کا خاتمہ ہورہا ہو، اگر آپ سکوت اختیار کرتے اور مصلحت کوشی سے کام لیتے ہوئے ہندوؤں کے خلاف سخت ردعمل ظاہر نہ کرتے تو یقیناً کچھ ہی عرصہ میں مسلمان ہندویت کی انجذابی فلسفہ کا شکار ہوکر ایک علیحدہ ملت کا وجود کھو بیٹھتے۔ اس تناظر میں ہی آپ کی فکر اور رویہ کی معقولیت کو پرکھا جاسکتا ہے اس صورتحال کے تجزیہ اور ادراک کے بغیر آپکے رویے کو ہدف تنقید بنانا سخت ناانصافی ہوگی۔ مستشرق فرائڈ مان (FRIED MANN) نے بھی آپکے رویہ کی یہی توجیہ ان الفاظ میں کی ہے۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے بارے میں سرہندی کے جو خیالات بعض جگہوں پر واشگاف ملتے ہیں وہ دراصل ان کے خیالات کی نشوونما سے متعلق نہیں بلکہ ان کا تعلق اس

سیاق وسباق سے ہے جس میں وہ لکھ رہے ہیں "۔ (۴۷)۔

حضرت مجدد کے ہندوؤں سے متعلق اس انداز فکر سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بھی حقائق کے منافی ہوگا کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کے تعاون باہمسایانہ رواداری کیلئے کسی صورت میں تیار نہ تھے آپ کا طریق کار مثبت اور تعمیری تھا آپ نے ہندوانہ تشدد کے مقابلہ جبروتشدد کی تحریک نہیں چلائی بلکہ صرف زبانی جہاد کی تلقین پر اکتفا کیا۔ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کیلئے ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندو اکثریت کو نظرانداز کرنا ناممکن تھا اس لئے آپ نے ہندو مسلم مسئلے کا ایک وقتی حل بھی پیش کیا۔ شیخ محمد اکرام کے الفاظ میں:

" ہندو مسلم مسئلے کا انہوں نے ایک حل بھی پیش کیا اور شاید کشیدگی کو دور کرنے اور ملک میں ایک خوشگوار فضا پیدا کرنے کیلئے سب سے کارآمد طریق کار وہی تھا، ان کی نگہ تیز بین نے اندازہ لگایا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات اتنے بنیادی ہیں کہ دین الہیٰ کا ملغوبہ بناکر یا " رام " یا " رحمان " کو ایک کہہ کرانہیں جوڑا نہیں جاسکتا۔ یہ ایک سعی لاحاصل ہے یا خرابیوں کا پیش خیمہ اور بہرکیف اسلام اور مسلمانوں کے لئے خطرہ عظیم ہے۔ باہمی امن وامان کی خاطر اور ہندوستان کے خاص حالات کیلئے زیادہ سے زیادہ وہ جس بات کو گوارا کرسکتے تھے وہ یہ تھی

مسلمانان بردین خود باشندوکفار برکیش خود (آیت کریمہ) " لکم دینکم ولی دین " بیان این معنیٰ است " (۴۸) (یعنی مسلمانوں کو اپنے دین کی اتباع کرنی چاہئیے اور ہندوؤں کو اپنے مذہبی عقائد کی، قرآنی آیت " لکم دینکم ولی دین " کا یہی مفہوم ہے) یعنی امتزاج یا اتحاد (INTEGRATION) نہیں رواداری (CO-EXISTENCE)۔ (۴۹)

شیخ مجدد اپنے ایک مکتوب میں مشرکین کی نجاست سے متعلق اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" آپ خلق خدا پر رحم کریں اور عام طور پر ان کی نجاست کا حکم نہ دیں اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث جس سے چارہ نہیں نجس نہ جانیں اور وہمی نجاست کے باعث مسلمانوں کے کھانے پینے سے پرہیز نہ کریں اور اس طرح سب سے بیزار نہ ہوں " (۵۰)

خلیق احمد نظامی آپ کے رویہ میں پیداشدہ اس پلٹ کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ

" درحقیقت ان کا رویہ اکبر کے مذہبی تجربات اور اس سے پیدا شدہ درباری ماحول کے خلاف ردعمل کے طور پر پیدا ہوا تھا جیسے ہی یہ ماحول ختم ہوا انکے رویہ میں بھی غیر معمولی تبدیلی آگئی (۵۱)

آپ کے رویہ کی یہ تبدیلی دراصل ہندو مسلم ترکیب اور باہمی اختلاط واتحاد کے برخلاف محض وقتی مصلحت اور ضرورت کی نشاندہی کرتی ہے ورنہ آپ کا واضح موقف یہی تھا کہ مسلمان ہر اعتبار سے ہندوؤں سے جداگانہ ملت ہیں، ان سے اتحاد ممکن نہیں۔ اگر چہ وہ ایک ہی خطہ زمین میں ایک ساتھ بستے ہیں مگر ان کا نظریہ حیات اور ان کی منزل جداجدا ہے۔ تاریخ نے آپ کے نقطہ نظر کی تائید کی، ہندو مسلم اتحاد کبھی پنپ نہ سکا، اختلافات بڑھتے گئے اور مسلمانوں میں جداگانہ قومیت کا شعور بیدار ہوتا گیا جو بالآخر ہندوستان کی تقسیم پر منتج ہوا۔ اس اعتبار سے گویا آپ پہلے مصلح ہیں جنہوں نے برصغیر میں "دوقومی نظریہ" پورے زور وشور سے پیش کیا جس سے آپ کا مقصد دراصل ہمیشہ کیلئے ہندو مسلم اتحاد کا دروازہ بند کرنا تھا تاکہ مستقبل بعید میں کسی موڑ پر بھی مسلمان ایک خطہ زمین میں رہنے کی وجہ سے ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کرکے قومیت کے نظریہ کو تشکیل نہ دیں، اس طرح آپ نے اپنے مثبت افکار کے ذریعہ احیاء اسلام کے ساتھ ساتھ ہندومت کے احیاء کی تحریکوں کو ناکام بنایا اور اسلامی تہذیب وثقافت کو ہندواثرات سے بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ اگر چہ دور جہانگیری آپ کی تحریک اور فکر سے کافی متاثر نظر آتا ہے۔ تزک جہانگیری سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں آپ کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے زیراثر جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اسکے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ (۵۲) مگر اس تحریک کے اثرات ہمیں دور شاہجہانی اور دور عالمگیری میں زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

مورخ اشتیاق حسین قریشی دور عالمگیری کو حضرت مجدد کی مساعی کا نقطہ عروج قرار دیتے ہیں(۵۳) اس دور میں اسلامی نظام حکومت وسیاست کے ہر شعبہ میں اسطرح دخیل ہوچکا تھا کہ اسکی واضح اور گہری چھاپ ہر جگہ دکھائی دیتی تھی، اسلامی عظمت وسطوت کے اظہار کیلئے شاندار مساجد تعمیر کی گئیں، ہندوؤں کے متعلق سخت پالیساں اختیار کی گئیں، غیر مسلموں کی محکومانہ حیثیت کا اثبات تھا، سلطنت مغلیہ کے زوال کی بعد بھی حضرت مجدد کے افکار کے زیراثر مسلمانوں کے ہاں جداگانہ ملت ہونے کے رجحان نے مذہبی عقیدے کی سی شکل اختیار کرلی جسکے اثرات بہت بعد تک قائم رہے۔ اقبال کی ملی شاعری دراصل اسی فکر کی صدائے بازگشت تھی اور تحریک پاکستان کے پیچھے جو مذہبی محرکات کام کررہے تھے انکا اساسی نقطہ بھی یہی تھااوراسی کے ذریعے اسے سب سے زیادہ تقویت ملی۔

حواشی

(۱) دیکھئے (۱) عبدالعزیز شاہ، "عجالہ نافعہ"۔ مطبوعہ کراچی ۱۳۸۳ھ ص ۵، ۱۷۴ (ب) احمد امین، "ظہرالاسلام" ج ۴، مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ (۲) دیکھئے۔ تاراچند، ڈاکٹر، "تمدن ہند پر اسلامی اثرات" (ترجمہ اردو از

پروفیسر محمد مسعود احمد) لاہور ۱۹۶۴ء ص ۹۷ (۳). خلیق انجم: " مرزا محمد رفیع سودا"۔ علیگڑھ ۱۹۶۲ء ص ۴۷ (طفنا) بحوالہ " مقامات مظہری " از شاہ غلام علی دہلوی (ترجمہ و تحقیق محمد اقبال مجددی) لاہور اردو سائنس بورڈ ۱۹۸۳ء ص ۴۷ - ۴۸ - (۴). DURIBOSBORNMAJORISLAMUNDERTHEKHALIFSOF BAGHDAD P-12 (۵) A SUERVEYOF INDIANHISTORY. BOMBAY1947 P-155 کے ایم نکر (۶). دیکھئے: آبادشاہ پوری: " حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات " لاہور مکتبہ چراغ اسلام ۱۹۷۷ء ص ۳۸ - نیز دیکھئے: اکرام شیخ: " رود کوثر " ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۷ء ص ۱۰۰ - ۱۰۱ نیز " اکبر نامہ " از ابوالفضل بحوالہ رود کوثر ص ۱۰۰ - (۷) دیکھئے چوپرا یران ناتھ کی کتاب SOMEASPECTSOF SOCIETY& CULTURE DURING THE MUGHUAL AGE' THE GREAT MUGHUL" P-82 بحوالہ۔
(۸) SIRIRAMSHARMA'THE RELIGIOUS POLICY OF THE MUGHUL EMPEROIR P -42,43 نیز ایک اور ہندو مصنف اکبر کے بارے میں اپنی تصنیف میں یوں اظہار خیال کرتا ہے کہ اکبر گینو برہمن کا بھگت تھا، تناسخ کا قائل تھا روزانہ گیتا سنتا تھا غرضیکہ اس کے خون کے قطرے قطرے میں ہندوپن کا جذبہ صحیح طور پر سما چکا تھا " (چھیری رام حلیم " شہنشاہ اکبر اور ہندو دھرم " ص ۱۹) (۹). IBD. P-23
(۱۰) SRIVASTAVAMP POLICIESOF THE GREAT MUGHULS" LAHORE BOOK TRADERS 1979. P- 8 (۱۱) THE RELIGIOUS POLICY OF THE MUGHUL EMPEROR P -24 (۱۲). دیکھئے۔ بدایوانی " منتخب التواریخ، لکھنو نول کشور ۱۸۹۸ء ص ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۴۴ (ص ۵ بقیہ حواشی دیکھیں آئندہ صفحہ پر) (۱۳). دیکھئے: POLICIES OF THE GREAT MUGHULS" P-89
(۱۴). منتخب التواریخ۔ ص ۲۲۶ (۱۵). ص ۱۵ ایضاً ص ۲۴۳ - ۲۴۴ (۱۶). شیخ اکرام نے " رود کوثر " میں بدایونی کے متعلق اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ص ۱۱۳ - ۱۱۴ قاضی جاوید نے " مسلم فکر کا ارتقاء " میں بدایونی کو تنگ نظر، مذہبی جنونی اور حاسد قرار دیا ہے۔ دیکھئے ص ۹۴ مطبوعہ لاہور۔ نگارشات ۱۹۸۶ء۔ (۱۷). یہ کتاب ۳ جلد میں کلکتہ سے طبع ہوئی ۱۸۶۷ء - ۱۸۷۷ء اس کے اردو انگریزی میں تراجم بھی دستیاب ہیں۔ (۱۸). " طبقات اکبری " ۱۹۱۳ - ۱۹۳۱ء میں کلکتہ ایشیاٹک سوسائٹی سے ۳ جلدوں میں طبع ہوئی۔ (۱۹). اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔
(۲۰). " خلاصۃ المعارف " (مولفہ و مکتوبہ ۱۰۳۷ھ) مخطوط انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔

(۲۱). " جہانگیر نامہ " لکھنو سے ۱۸۹۸ء میں طبع ہوا۔ (۲۲). " دبستان مذاہب " بمبئی سے ۱۸۲۶ء میں طبع ہوئی۔ (۲۳). نکوس مینوکی " فسانہ سلطنت مغلیہ " (مترجم سید ظفر علی) آگرہ سے ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی۔ (۲۴). متعدد مترجم ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ (۲۵). " آئین اکبری " مطبوعہ لکھنو ص ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۱۱۰، ۱۹۳ وغیرہ۔
(۲۶). دیکھئے۔ قاضی جاوید: " برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء " لاہور، نگارشات ۱۹۸۶ء۔ ص ۱۵۳ - ۱۵۴، نیز اسی مصنف نے " افکار شاہ ولی اللہ " (لاہور، ادارہ ثقافت پاکستان ۱۹۷۷ء ص ۳۶) میں بھی رائے کا اظہار کیا ہے۔

(۲۷). احمد فاروقی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی"، لکھنو ۱۹۱۳ء ج ۱، ص ۴۱۔ ۴۲ مکتوب (۳۱)، نیز مکتوب (۴۳) ص ۵۷۔ (۲۸). ایضاً مکتوب (۴۳) ص ۵۷ (۲۹). ایضاً مکتوب (۳۱) ص ۴۱۔ (۲۹). ایضاً مکتوب (۳۱) ص ۴۱۔ (۳۰). تفصیل کیلئے دیکھئیں: "مکتوبات امام ربانی" ج ۱، ص ۵۷ مکتوب (۴۳) وغیرہ۔ (۳۱). دیکھئے۔ "مکتوبات امام ربانی" ج ۱ مکتوب (۳۰۔ ۳۱) ج ۲ مکتوب (۸۰) ج ۳ مکتوب (۵۳) (۳۲). یہودی مستشرق ہارڈی آپ کے نقطہ نظر کی ترجمانی انہی الفاظ سے کرتا ہے۔ مثلاً دیکھئے HARDI SOURCES OF INDIAN TRADITIONS NEW YORK 1959-449 (۳۳). مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب (۱۷۰). (۳۴). ایضاً۔ دفتر سوم، مکتوب (۴۱). (۳۵). اشتیاق حسین قریشی: "برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ" (اردو ترجمہ) کراچی، شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ ۱۹۸۳ء ص ۲۰۱ (۳۶). ایضاً، ص ۲۰۰ (۳۷). ایضاً، ص ۲۰۱۔

(۳۸). BURHAN AHMAD FAROOQI "THE MUJADDIDS CONCEPTION OF TAWHID LAHORE 1939 P-18-19 (۳۹). سرور محمد: "افادات وملفوظات مولینا عبیداللہ سندھی"، لاہور۔ سندھ ساگر اکادمی ۱۹۸۶ء ص ۲۴۱۔ (۴۰). مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب (۱۴۳) (۴۱). مکتوبات۔ دفتر اول مکتوب (۱۹۳) (۴۲). برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء ص ۱۵۸۔ (۴۳). IRFAN HABIB "THE POLITICAL ROLE OF SHEIKH SIRHANDI WALIULLAH PROCEEDING OF INDIA HISTORY CONGRESS ALI GARH PART - 1, P-211 (۴۴). مکتوبات ج ۲ مکتوب ۹۲ ص ۱۴۳ (۴۵). ایضاً ج ۱، مکتوب ۸۱ ص ۱۴۲۔ (۴۶). مثلاً دیکھئے اس دور کی اہم اور نمایاں شخصیات خان اعظم، خان خانان اور شیخ فرزند وغیرہ کو تحریر کردہ مکتوبات مثلاً ج ۱، ص ۸۲۔ ۸۳ مکتوب (۶۵)، مکتوب (۸۱) ص ۱۴۲ نیز ج ۲ ص ۱۴۳ مکتوب (۹۲)

(۴۷). FRIED MANN YOHANAN "SHEKH AHMAD SIRHNDI AN OUT LINE OF HIS THOUGHT AND STUDY OF HIS IMAGE IN THE EYES OF POSTERITY. MEGILL UNIVERSITY MONTREAL AND LONDON 1971 P-75 (۴۹). "رود کوثر" ص ۳۲۴۔ ۳۲۵

(۵۰). مکتوبات امام ربانی" ج ۳ مکتوب (۴۲) ص ۵۳۔ (۵۱). NZAMI KA "NAQSHBANDI INFLUENCE ON MUGHAL RULERS OF POLITICS ISLAMIC CULTURE HYDERABAD DECCAN, VOL XXXIX NO. 1 JAN. 1965 P-50

(۵۳). QURESHI ISHTIA HUSSAIN, "HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT" KARACHI 1957 VOL-1- P-20